فکر و نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کب تلک پانی کے کانٹوں پہ لہو تولو گے تم!

عرب جاہل تھے، گنوار تھے، تہذیب و تمدن کی روشنی سے کوسوں دُور وہ ایک ایسے خطہ کے مکین تھے جس کی تاریخ خاندانی جھگڑوں یا قبائلی جنگوں سے عبارت تھی ـــــ لیکن انھیں اپنے اس اندوہناک ماضی پر فخر تھا اور اپنے حال کی پستیوں پر ناز! ـــــ کوئی برائی جو انہیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی تھی، ان کی نظر میں قابلِ نفرت اور کوئی نیکی جسے ان کے آباؤ اجداد ٹھکرا چکے تھے، ان کے نزدیک قابلِ التفات نہ تھی ـــــ ان کا وجود زندگی کی ہر سعادت کی نفی کرتا تھا ـــــ وُہ جس روش پر چل رہے تھے اسی پر چلتے رہنا چاہتے تھے ـــــ ان کے ماحول کی ظلمتوں کو کسی روشنی کی احتیاج نہ تھی۔ لیکن یہی وُہ ظلمت کدہ تھا جو آئندہ کے لیے روشنی کے ہر جویا کی نگاہوں کا مرکز بننے والا تھا ـــــ یہی وُہ بنجر اور سنگلاخ زمین تھی جسے قدرت نے اپنی نیرنگیوں اور اپنے انعامات کی بارش کے لیے چُن لیا تھا ـــــ اور یہی وُہ افق تھا جس کی تاریکیاں آفتابِ رسالت کی ضیا پاشیوں کی اولین مستحق سمجھی گئی تھیں ـــــ ہاں وُہ ربیع الاول ہی کی ایک صبحِ درخشاں تھی جس نے مدتوں سے بھیانک تاریکیوں اور بے نشان راستے پر چلنے والی انسانیت کو ایک نئی روشنی کا پیغام دیا ـــــ اور ـــــ جس نے تاریک رات کے مسافروں کو چونکا دیا تھا!

آفتابِ رسالت فاران کی چوٹیوں پر سے نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری کائنات کو ایک ایسی روشنی سے منور کر گیا کہ جس کی تابندگی و تابانی، زوال و غروب کے الفاظ سے کبھی آشنا نہ ہو سکی اور آئندہ کبھی ہو سکے گی:

ھُو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون!

"دعائے خلیل" کی قبولیت اور "نویدِ مسیحا" کے ظہور کے چند ہی سال بعد عرب کے یہ وحشی انسان!

دُنیا کو انسانیت، صلح و آشتی، امن و انصاف اور تہذیب و تمدن کا درس دے رہے تھے ـــــ عرب کے اس ظلمت کدہ سے آفتابِ رسالت کی ضیا باریوں کے باعث انسانی عظمتوں کے جو پہاڑ نمودار ہوئے، اُن کی وسعت، بلندی اور دلکشی کا تصور بھی موجودہ دور کے انسانوں کے فہم و ادراک کی سرحدوں سے باہر ہے ـــــ وُہ عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں سے ایک ہاتھ میں قرآن اور دُوسرے میں تلوار لے کر اُٹھے تو زمین کی وسعتیں ان کے سامنے سمٹ کر رہ گئیں ـــــ افریقہ کے ریگزار ہوں یا چین کے چٹیل پہاڑ، سرزمینِ اندلس و سپین ہو یا سرزمینِ ہند، مجاہدوں کے قافلے ہر جگہ پہنچے اور ہر ہر منزل پر اپنے قدموں کے ایسے نشانات چھوڑ گئے کہ جن کو حوادثِ زمانہ کی تند و تیز موجیں نہ آج تک مٹا سکی ہیں نہ آئندہ کبھی مٹا سکیں گی ـــــ "لا الٰہ الا اللہ" کی عالمگیر انقلابی آواز سے جو غلغلہ بپا ہوا ـــــ اور پھر کتاب و سنت کی بنیادوں پر اخلاق و آداب، معیشت و اقتصاد، علوم و فنون، تعلیم و تربیت، صنعت و حرفت، زراعت و تجارت، نظام و انصرام، عدل و انصاف، قانون و سیاست اور حکمرانی و جہانبانی کی جو پرشکوہ اور سربفلک عمارتیں تعمیر ہوئیں، وہ آج بھی اقوامِ عالم کی رہنمائی کرتی نظر آتی ہیں۔

روشنیوں میں نہا کر وہی نگاہیں خیرہ ہوتی ہیں جو بیمار ہوں، آفتاب کے نظارہ سے وہی شخص محروم رہتا ہے جس کی بینائی کو قدرت نے سلب کر لیا ہو ـــــ اس کی رخشندگی و تابانی کا انکار وہی کر سکتا ہے جو اس کے وجود سے ناواقف ہو ـــــ لیکن ایک ایسا انسان جو نگاہِ دیدہ و بینا رکھتا ہے، اس کی بدقسمتی کا اس سے بڑھ کر اور کیا تصور ہو سکتا ہے کہ اجالوں کے وجود سے واقف ہونے اور ان کے حقائق کا ادراک کر لینے کے باوجود وُہ ان سے یکسر محروم رہے اور تاریکیوں میں بھٹکتے رہنے پر قناعت کر لے ـــــ درآنحالیکہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہو، اس کی راہ میں بیشمار پُرخطر مقام حائل ہوں اور مہیب غار منہ کھولے اس کو ہڑپ کر جانے کے لیے مضطرب و بے چین ہوں ـــــ وُہ گر گر کر اٹھتا ہے اور اُٹھ اٹھ کر گرتا ہے ـــــ ہر نئی ٹھوکر اسے جھنجھوڑتی اور ہر غلط جگہ پر پڑنے والا قدم اسے تباہی کا احساس دلاتا ہے ـــــ وُہ واویلا کرتا اور شور مچاتا ہے ـــــ چیختا اور چلاتا ہے، لیکن آنکھیں نہیں کھولتا ـــــ روشنی کا رہینِ منت ہونا اسے گوارا نہیں ـــــ خدا کے بخشے ہوئے نور سے فیضیاب ہونے کی وُہ توفیق نہیں پاتا ـــــ کیا اس کی بدنصیبی، محرومی، تیرہ بختی اور کوتاہ دامنی و کوتاہ بینی میں کچھ کلام ہو سکتا ہے؟

پاکستان میں ملت کا قافلہ گذشتہ تیس سال سے تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے ـــــ وُہ اسلام کی عظمتوں

سے واقف بھی ہے اور اس کا نام لیوا بھی ـــــ آفتاب رسالت کی ضیا پاشیوں کا معترف بھی ہے اور زبانی و کلامی اس کی محبت سے سرشار بھی ـــــ وہ "نورِ مبین" کی حقیقتوں سے آگاہ بھی ہے اور "سراجِ منیر" کی جگمگاہٹوں کو اپنے مقدر کی سیاہیوں کو دھو دینے کا واحد ذریعہ بھی خیال کرتا ہے ـــــ لیکن کبھی سوشلزم کی خون آشام آندھیوں کا شکار ہوتا ہے تو کبھی مغربی جمہوریت کے فتنہ و فساد کا اسیر ـــــ کبھی عیسائیت کی اندھی تقلید کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھنے لگ جاتا ہے تو کبھی یہودیت کی نقالی کو باعثِ فخر گردانے لگتا ہے۔ اس کی زندگی کا ہر قدم اسے کسی نئے خطرے کا پیغام دیتا ہے ـــــ اس کے سفرِ حیات کا ہر موڑ اسے نئی مصیبتوں سے دوچار کرتا ہے ـــــ اس کی تاریخ کا ہر نیا دھارا اسے کسی تازہ تباہی کا احساس دلاتا ہے ـــــ آدھا کارواں لٹ گیا، پٹ گیا، کٹ گیا ـــــ وہ چیخا بھی اور چلایا بھی ـــــ اپنے مقدر کی ظلمتوں پر آنسو بھی بہائے اور اپنی روسیاہیوں کا ماتم بھی کیا ـــــ لیکن کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھنا اسے گوارا نہ ہوا ـــــ اس کے نور سے جلا پا لینے کا خیال اسے نہ آیا ـــــ وہ چند طالع آزماؤں کے نت نئے نعروں کا شکار ہوا ـــــ وہ اس کی خواہشات سے کھیلے ـــــ انہوں نے اس کی تمناؤں کا خون کیا ـــــ افرادِ امت ان کے ادنیٰ سے اشاروں پر مچل مچل گئے ـــــ جان کی بازیاں لگائیں اور خون کے نذرانے پیش کیے ـــــ لیکن سب کچھ اک سراب نکلا ـــــ حقیقت سے جس کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اور آج تک یہ حالت ہے کہ:

مثلھم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمات لا یبصرون. صم بکم عمی فھم لا یرجعون۔

ربیع الاول پھر آرہا ہے ـــــ گذشتہ سال بھی کچھ نئے عزائم کا اظہار ہوا تھا ـــــ کچھ نئے عہد و پیمان بندھے تھے، لیکن وقت کی آندھیوں نے انھیں دھندلا دیا ـــــ زانیوں کو، شرابیوں کو، چوروں کو کوڑے بھی لگے ـــــ راشیوں، منافع خوروں، بددیانتوں کو سزائیں بھی ہوئیں اور جرمانے بھی ہوئے، لیکن سب مارشل لاء کے تحت ـــــ معاشرہ کی تطہیر کے سامان بھی ہوئے، لیکن مارشل لاء کی روشنی میں ـــــ کتاب و سنت کے نور سے استفادہ نہیں ہوا ـــــ اس سلسلہ میں ہنوز روزِ اول کا سا معاملہ ہے ـــــ اور اب گرد کی تہیں پھر جم رہی ہیں ـــــ نقوش پھر مٹتے جا رہے ہیں ـــــ ملت نے انہیں اپنے خون سے اُجاگر کیا تھا ـــــ یہ خون ابھی تک خشک نہیں ہوا لیکن یہ نقوش پھر دھندلا رہے ہیں، پھر مٹ رہے ہیں ـــــ ملت کے قافلہ سالارو! ـــــ ان نقوش پہ اب حقیقت کے خوشنما

محل تعمیر کر ہی ڈالو ——— وقت تیزی سے گزر رہا ہے ——— گرد کی تہیں دبیز ہو گئیں، تاریکیاں کچھ اور بڑھ گئیں، تو کسی نئے چشمۂ خون کی ضرورت پڑے گی ——— اور کیا تم سمجھتے ہو کہ خون کے یہ چشمے ابلتے ہی رہیں گے ؟ یہ سوتے خشک بھی ہو سکتے ہیں ——— ختم بھی ہو سکتے ہیں، پھر نئے چشمے کہاں سے تلاش کرو گے ؟ ——— اب بھی وقت ہے، کتاب و سنت کے نورِ نیرین سے تابانیاں حاصل کر لو ——— جس کے باعث عرب کے گڈریے، شہنشاہِ دوراں بنا دیے گئے تھے، تم بھی اس کی روشنی میں نئی راہیں تلاش کر سکو گے، نئی منزلیں پا سکو گے ——— ورنہ یاد رکھو! ——— یہ قافلہ اگر چند سال اور اسی طرح بھٹکتا رہا تو خدانخواستہ اس کی سلامتی پر آنچ بھی آ سکتی ہے ——— پس ان دھندلے نقوش کو واضح کر دو، اجاگر کر دو ——— انمٹ بنا ڈالو ——— اسی مبارک ماہ میں ——— اسی ربیع الاول میں ——— خدا تمہارا حامی و ناصر ہو! ——— آمین!

(اکرام اللہ ساجد)

خوف رہتا ہے جسے قبر کی تنہائی کا

عبدالرحمان عاجزؔ

معدنِ حسن ہے سرچشمہ ہے رعنائی کا
ہر لبِ گل پہ ہے چرچا تری یکتائی کا

ہر دلِ مردہ کو جینے کا سلیقہ آیا،
معجزہ ہے یہ تری شانِ مسیحائی کا

ذرے ذرے کی جبیں سے مہ و انجم ٹوٹے
یہ کرشمہ ہے مری بادیہ پیمائی کا

جس کی رنگت کو قیام اور نہ خوشبو کو دوام
نام کیا لیجئے اُس پھول کی رعنائی کا

رات دن پردۂ سیمیں پہ ستارے دیکھو
کیا یہی شکر ہے اس نعمتِ بینائی کا

دورِ حاضر میں اسے کہتی ہے دُنیا فن کار
رقص کی لت ہو جسے، ذوق ہو شہنائی کا

اک مسلمان مسلمان ہی سے خائف ہو
ہائے یہ حال مسلمان کی رُسوائی کا

اہلِ بینش بھی ہر اک اندھے کو بینا سمجھے
کس قدر قحط ہے اس دور میں بینائی کا

خاک دیکھے گا وُہ ہنگامۂ محفل کی طرف
خوف رہتا ہے جسے قبر کی تنہائی کا

اشکِ غم بھی ہو میسر تو پس انداز کرو،
یہ زمانہ ہے مرے دوستو مہنگائی کا

تو ہے دانا تو کسی اور کو ناداں نہ سمجھ
ہے تقاضا یہی عاجزؔ تری دانائی کا!